ڈاکٹر تصدق حسین

شاہ ولی اللہ کے فلسفہ پر ایک طائرانہ نظر

(دوسری قسط)

شاہ ولی اللہ کا تصوف

شاہ ولی اللہ نے تصوف پر بہت سی گراں قدر تصانیف چھوڑی ہیں ان پر مبنی ان کا نظریہ تصوف ماخوذ کیا جا سکتا ہے۔ تصوف کے میدان میں دو اہم نام ہیں ایک غزالی کا اور دوسرا شاہ ولی اللہ کا۔ غزالی کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے اصول وضع کئے اور صوفیاء کو مکمل نظام تصوف دیا۔ شاہ ولی اللہ نے تصوف میں پیدا شدہ اختلافات کو دور کیا۔ بنیادی اعتبار سے وہ تصوف کو احسان سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی۔ ظاہری پہلو کے ذریعہ انسان کی سماجی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے اور باطنی پہلو کے ذریعہ انسان کا قلب مطہر ہوتا ہے ظاہری پہلو عام انسان کی اصلاح کے لئے ہے اور باطنی پہلو سالک کی اصلاح کرتا ہے۔ ظاہری پہلو سے نظم پیدا ہوتا ہے اور باطنی پہلو سے حسن یعنی صفائی قلب سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کو احسان کہتے ہیں[1]

سلوک کی تعریف بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ یہ رضاء خداوندی ہے سالک کا کام خدا کی رضا حاصل کرنا ہے۔ خدا نے ایسے طریق ودیعت کئے ہیں جن سے وہ اپنی رضا سالک تک پہنچاتا ہے راہ سلوک کی مختلف منزلیں ہیں۔ اس کی ابتداء اطاعت سے ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کی دیگر منازل ذکر و اذکار اوراد وظائف اور مراقبہ وغیرہ ہیں۔ راہ سلوک میں پیش آنے والے

خطرات میں سب سے اہم و بنیادی خیالات اور لالچ ہوتا ہے سالک کو اپنے دل کو دنیاوی خواہشات سے پاک رکھنا چاہئے تب ہی وہ راہ سلوک پر گامزن ہو سکتا ہے[۱۲]۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ شاہ ولی اللہ تارک الدنیا ہونے کا درس دیتے ہیں۔ دنیاوی خواہشات سے دل کو پاک رکھنے سے مراد وہ حسرتیں ہیں جو حواس خمسہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ نیز دنیاوی معاملات میں اس طرح ملوث ہونا ہے جس طرح عام طور پر لوگ نظر آتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ تصوف میں نسبتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں وہ انہیں دو اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں۔ ایک اوراد و وظائف کے اعتبار سے اور دوسرے جذب کے اعتبار سے۔ اوراد و وظائف کے اعتبار سے تین نسبتیں ہیں۔ نسبت[۱] طہارت صوفی کے لئے تزکیہ قلب اور طہارت جسم عام انسانوں کے مقابلہ زیادہ ضروری ہے وہ اس کے بغیر راہ سلوک کی منازل طے ہی نہیں کرسکتا۔ نسبت[۲] سکینہ۔ یہ سکون کی نسبت ہے۔ اس کے تحت سالک اپنے اندرون میں تسکین پیدا کرتا ہے اس کے حصول کے تین طریقے ہوتے ہیں۔ ذکر و اذکار، شمول رحمت اور اسمائے حسنیٰ کی تجلی۔ سالک اس میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرسکتا ہے شمول رحمت رضائے خداوندی پر منحصر ہے۔ نسبت[۳] اویسیہ۔ اس نسبت کے تحت سالک خود کو ارواح صوفیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ متحد کرلیتا ہے[۱۳]۔

جذب کے اعتبار سے چار نسبتیں ہیں۔ یادداشت[۱]۔ اس کے تحت سالک اپنے ذہن کے تصورات کے ذریعہ علم حاصل کرتا ہے اس کا اطلاق اول دنیاوی علوم اور دوم قدسی علوم پر ہوتا ہے۔ نسبت[۲] توحید اس کے تحت سالک مختلف سطحوں پر توحید کا مشاہدہ کرتا ہے بار بار قبض و بسط کے تجربہ کرتا ہے توحید میں فنا ہو جاتا ہے اور بقا کی حالت میں اس کا ادراک کرتا ہے۔ نسبت[۳] وجد۔ اس کے تحت سالک وجد کی کیفیت کا ادراک کرتا ہے، سماع وجد کا بہترین ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے صوفیا محفل سماع کو جائز قرار دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ بھی اس سے متفق ہیں۔ نسبت[۴] عشق۔ اس کے تحت سالک عشق حقیقی کی اس چنگاری کو محسوس کرتا ہے جو بہیمیت کی بدولت دبی رہتی ہے نیز وہ عشق کے مقامات کا بھی ادراک کرتا ہے وہ شعائر اللہ سے بھی محبت کرتا ہے اور اللہ سے بھی۔ مختصراً شاہ ولی اللہ ایک مکمل نظام تصوف پیش کرتے ہیں وہ اس کی تاریخ بھی بیان کرتے ہیں اور اس کی اہمیت بھی۔ وہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں اور مشکلات بھی[۱۴]

شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات

افلاطون، ارسطو، مسکویہ، فرابی اور غزالی وغیرہ کی طرح شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات کی بنیاد بھی مابعد الطبیعات پر ہے نیز یہ کہ ان کی اخلاقیات نوعیت کے اعتبار سے متصوفانہ ہے۔ اس کا تصوف پر مبنی ہونا اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ شاہ ولی اللہ بنیادی اعتبار سے خود صوفی تھے۔

اخلاقیات خیر و شر کا علم ہے۔ لہذا اس کی نوعیت کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ اس کا آغاز خیر کی تعریف سے کرتے ہیں ان کے خیال میں تمام مخلوقات خواہ وہ جاندار ہوں یا غیر جاندار اپنے اندر کچھ کمالات رکھتی ہیں یہ کمالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو ہر مخلوق کی نوع میں شامل ہوتے ہیں۔ انہیں کمالات نوعی کہتے ہیں دوسرے وہ جنہیں حاصل کیا جاتا ہے حاصل شدہ کمالات صرف انسان کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان کمالات کی بنیاد پر خیر کا تعین کیا جاتا ہے[1]

کمالات نوعی تمام مخلوق میں مشترک ہوتے ہیں۔ لیکن اس اشتراک میں مخلوق کی فطرت کو دخل ہوتا ہے کچھ کمالات ایسے ہوتے ہیں جو انسان و حیوان میں مشترک ہوتے ہیں اور کچھ جمادات حیوانات و انسان میں مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً بلندی ہر مخلوق میں مشترک ہے۔ ان اشتراکی کمالات کو خیر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ نوعی ہوتے ہیں اور شے کے ارادے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ انھیں خیر خیال کیا جائے تو ہر شے میں بہ اعتبار فطرت خیر موجود ہوگی۔ مثلاً بلندی کو اگر ہم خیر تسلیم کریں تو پہاڑ میں سب سے زیادہ خیر موجود ہوگی۔ جبکہ امر صحیح ہے کہ پہاڑ سے خیر کا کوئی تعلق نہیں۔ حاصل شدہ کملات میں سے کچھ نوعی ہوتے ہیں لیکن ان کا اظہار موقع و محل پر ہوتا ہے مثلاً ہمت و حوصلہ حیوانات و انسان پر مشترک ہے وقت ضرورت اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کا شمار حاصل شدہ کمالات میں اس لئے کیا جاتا ہے کیونکہ یہ پوشیدہ صلاحیت کی صورت انس و حیوانات میں موجود ہوتی ہے اور جو اس صلاحیت سے آگاہ ہو جاتا ہے اسے استعمال کرتا ہے اس آگاہی میں اس کی ذات کو دخل ہوتا ہے لہذا یہ آگاہی حصول ہے۔ حاصل شدہ کمال ہونے کے باوجود ہمت و حوصلہ مندی حقیقی سعادت نہیں اس [illegible] کے [illegible]ات کو شاہ ولی اللہ جزدی سعادت کہتے ہیں۔ حقیقی سعادت وہ کمالات ہیں۔ جن کا حصول صر[illegible] انس[illegible] کے لئے ممکن ہے دیگر مخلوقات پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان کے حصول میں انسان کی عقل معاون ہوتی ہے اور حسن و قبح عمل پر مبنی ہوتے ہیں [illegible]س کے مطابق شاہ ولی اللہ

عمل کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔ ایک دنیاوی عمل اور دوسرا دینی عمل۔ اول الذکر کا تعلق دنیاوی امور سے ہوتا ہے اور موخر الذکر کا دینی امور سے۔ دنیاوی امور سے متعلق عمل اس لئے حقیقی سعادت میں ہوتا کیونکہ ان میں سے بہت سے اعمال کا تعلق بہیمیت سے ہوتا ہے۔ دینی امور سے متعلق عمل حقیقی سعادت اس لئے ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق ملکی رجحانات سے ہوتا ہے یہ اعمال عبادت اور استغفار ہیں[۲]

ان اعمال کو اختیار کرنے کے لئے بہیمیت کا کمزور ہونا ناگزیر انسانی فطرت کے معاملہ کے تحت شاہ ولی اللہ بہیمیت کے قطعی خاتمہ کی تلقین نہیں کرتے وہ اس کو کمزور کرنے اور قابو میں رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ وہ اشراقی فلسفیوں سے متفق نہیں جو بہیمیت کے قطعی خاتمہ میں یقین رکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا خیال نفسیاتی اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ انسانی کمزوریاں جن کا بہیمیت سے تعلق ہوتا ہے ختم نہیں ہوسکتیں قابو میں رکھی جا سکتی ہیں۔ بہیمیت پر نگہداشت ملکی قوت کے ذریعہ ہی رکھی جا سکتی ہے اس کے لئے ملکی قبہ کی تربیت کی ضرورت ہے[۳]

ملکی قبہ کے عادی ہونے کی صورت میں انسانی قدسی امور کی طرف مائل ہوگا اور اعمال کرے گا جن سے ان امور کی تکمیل میں ملتی ہے اسی طرح وہ حقیقی سعادت کا حامل ہوگا۔ شاہ ولی اللہ کے خیال میں سعادت عمل کو اتفاقیہ طور پر کرنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا ہے نیز یہ کہ اس عمل کا تعلق قدسی امور سے ہونا چاہیئے۔ بہیمیت کے کمزور ہونے کے بعد وہ ان اعمال کی طرف راغب ہوتا ہے اور پھر ان کا عادی ہو جاتا ہے۔ عادت کے سبب اس کے اندر چار بنیادی نیکیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو طہارت عجز سماحت اور عدالت ہیں[۴]

طہارت کا تعلق صفائی سے ہوتا ہے صفائی دو سطحوں پر ہوتی ہے ایک جسمانی اور دوسری قلبی جسمانی صفائی کے لئے سالک غسل کرتا ہے طرح طرح کی خوشبوئیں استعمال کرتا ہے صاف لباس پہنتا ہے اور بار بار وضو کرتا ہے قلب کی صفائی کا انحصار روح کی صفائی پر ہوتا ہے۔ روح اس صورت میں پاک ہوتی ہے جبکہ اس کے اندر پوشیدہ طہارت جو ودیعت کی گئی ہے نمایاں ہو جاتی ہے بعد ازاں قلب بھی صاف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تزکیہ روح و قلب ذکر و اذکار سے بھی ہوتا ہے۔ سالک کو ا... مسنی ... تلاوت کرنا چاہیئے۔ اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہیئے ان اعمال کے مشغو... ہنا

چاہیئے نیز اصول شرح پر عمل کرنا چاہیئے ان اعمال کے بغیر طہارت نفس وقلب ناممکن ہے مظہر ہونے کے بعد سالک کو ملائکہ کی دید ہوتی ہے وہ خوش کن خواب دیکھتا ہے اور ان میں اسے نیک روحوں کا مشاہدہ ہوتا ہے طہارت کا عدم حدس ہوتا ہے جسمانی اور اندرونی حدس روح وقلب کو پراگندہ کر دیتا ہے ایسے انسان کی روح وقلب تجلیات ربانی سے محروم ہو جاتے ہیں ناپاک شخص شیطانی عنصر کا حامل ہوتا ہے وہ بُرے خواب دیکھتا ہے اور خوف وہراس کے عالم میں رہتا ہے۔ طاہر شخص حدس میں اضطرابی محسوس کرتا ہے طہارت اس کی فطرت بن جاتی ہے اور وہ اس کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا[۵]

عجز بھی بنیادی نیکیوں میں سے ایک ہے اس کا اظہار خوشحالی کے دور میں ہوتا ہے۔ خوشحال شخص دولت وثروت کے باوجود اگر خود کو عاجز محسوس کرتا ہے تو یہ سعادت ہے اسے خدا کے حضور اسی طرح منکسر محسوس کرنا چاہیئے جس طرح وہ بادشاہ کے سامنے کرتا ہے۔ عجز وانکساری سے اسے فرشتوں کا قرب حاصل ہوتا ہے[۶]

شاہ ولی اللہ جب بھی قرب کی بات کرتے ہیں اسے فرشتوں تک محدود رکھتے ہیں اس سے دو نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ خدا کے قرب کو سالک کے لئے ناممکن سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ خدا کی تنزیہ میں مکمل یقین رکھتے ہیں اور اس کے باعث خدا کے قرب کو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں سمجھتے ہمارے خیال میں یہی نتیجہ درست ہے وہ قرب الہیٰ کے قائل تو ضرور ہیں لیکن اسے چیندے محدودے کا حصہ سمجھتے ہیں اور یہ صحیح بھی ہے اس لئے کہ اللہ کا قرب راہ سلوک کی آخری منزل ہے۔ جس پر کم صوفی پہنچے اور جو اسے حاصل کر لیتے ہیں وہ عالم سُکر میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں خدا اور بندے کے درمیان امتیاز نہیں رہتا۔ صحف کا مقام حاصل کرنے پر یہ فرق پھر سے نمایاں ہو جاتا ہے یہی سبب ہے کہ شاہ ولی اللہ وحدت الوجود کو سکر کا مقام سمجھتے ہیں اوحدت الشہود کو صحف کا۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا اسلام مکمل طور پر تارک الدنیا ہونے سے روکتا ہے لیکن مکمل طور پر دنیا میں محدود ہو جانے کو بھی پسند نہیں کرتا۔ لہذا زیادہ تر صوفیاء سماحت کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ سہروردیہ کے علاوہ صوفیوں کے دیگر سلسلوں نے خود کو سیاست سے الگ رکھا گو کہ انہوں نے

دنیادی زندگی سے احتراز نہیں کیا تاہم دنیادی معاملات سے دلچسپی بھی نہیں رکھی شاہ ولی اللہ بھی اس قسم کی سماحت کو نیکی خیال کرتے ہیں[۷]

سماحت کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ حصول علم میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس ضمن میں غزالی کی مثال دی جا سکتی ہے۔ جو مدرسہ نظامیہ بغداد میں کچھ دن درس دینے کے بعد حصول علم کے لئے کچھ عرصے کے لئے تارک الدنیا ہو گئے۔ جستجوئے علم سے مطمئن ہونے کے بعد وہ پھر بغداد لوٹے اور اسی مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا بعینہ صورت سماحت ان کے لئے حصول علم کا ذریعہ ثابت ہوئی[۸] صوفیا کے علاوہ دیگر مذاہب کے سنتوں نے بھی سماحت کو حصول علم کا ذریعہ بنایا ہے مثلاً بدھا کو اسی ذریعہ ہی سے گیان حاصل ہوا[۹]

عدالت کی سعادت کا تعلق انتظامی امور سے ہے ان امور کو رضائے خداوندی کے مطابق انجام دینا چاہیئے اپنے ارادہ سے آگاہ کرنے کے لئے خدا ان امور کا علم بذریعہ ملائکہ نازل کرتا ہے۔ یہ نزول ہر شخص پر نہیں صرف انہیں لوگوں پر ہوتا ہے جو انتظامی صلاحتیں رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ خدا اپنے پیغام کو پیغمبروں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ عدالت کے معنی یہ ہیں کہ منتظم احکام الہٰی کے اعتبار سے نظام چلائے۔ شاہ ولی اللہ یہاں افلاطون سے متاثر معلوم ہوتے ہیں وہ عدالت کو اعلیٰ ترین سعادت سمجھتا ہے اور صرف فلسفی کو ہی اس کا متحمل قرار دیتا ہے۔ لہذا اس کو شہنشاہیت کے منصب پر مناسب سمجھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صرف فلسفی کو ہی عدالت کا متحمل نہیں سمجھتے۔ نیز عدالت کو وہ اعلیٰ ترین نیکیوں سے ایک خیال کرتے ہیں۔ اسی کو اعلیٰ ترین نہیں سمجھتے[۱۰]

افلاطون کے تاثر کے یہ معنیٰ نہیں کہ اسلام عدالت کی سعادت سے بحث نہیں کرتا۔ اس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے اور اسلامی فلسفہ سے بھی۔ اپنی کتاب احیاء العلوم میں بھی غزالی نے عدالت پر بحث کی ہے اور اسے اعلیٰ ترین نیکوں میں تسلیم کیا ہے[۱۱]

ان کے علاوہ شاہ ولی اللہ کچھ اور نیکیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ تمام نیکیاں اسلامی نظام اخلاق میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے ایک عقیدہ توحید ہے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا جب وہ اسلام کا سبق پڑھتا ہے تو سب سے پہلے وہ توحید کا اقرار کرتا ہے اس کی تصدیق کلمہ طیبہ سے ہو جاتی ہے جس میں اللہ کی وحدانیت اور معبودیت کا اقرار کیا جاتا ہے

شاہ ولی اللہ توحید کے تین مقامات بتاتے ہیں یعنی پہلا مقام وجودی ہے جس کے تحت یقین کیا جاتا ہے کہ وجود صرف ایک ہے اور وہی کائنات میں جاری وساری ہے۔ دوسرے مقام پر یقین کیا جاتا ہے کہ خدا اس کا واحد خالق ہے اور تیسرے مقام پر یقین کیا جاتا ہے کہ خدا اس کائنات کا واحد معبود ہے۔ غزالی نے بھی اس توحید کے تین مقامات بتائے ہیں جن کا تعین اقرار کی نوعیت سے ہوتا ہے[۱۲]

دوسری نیکی اللہ کی صفات میں عقیدہ ہے ذات وصفات اسلامی فلسفہ میں متنازعہ فیہ مسئلہ رہا ہے بعض مکاتیب ذات وصفات کو یکساں مانتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ذات وصفات نہ یکساں ہیں اور ایک دوسرے سے علیحدہ۔ ذات وصفات کی بنیاد پر ایک گروہ نے خدا کو مجسم ومشبہ خیال کیا۔ شاہ ولی اللہ ان میں سے کسی مکتب خیال کی پیروی نہیں کرتے وہ صفات کو تشبیہات سمجھتے ہیں اور ان کی تفہیم کے لئے شعور وادراک سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں۔ پہلے حصہ میں وہ صفات شامل ہیں جن کا ادراک ہونا لازمی ہے دوسرے حصے میں وہ صفات ہیں جن پر سوچنے کی شریعت اجازت دیتی ہے اور تیسرے حصے میں وہ صفات ہیں جن پر سوچنے کو منع کیا ہے، سمیع، بصیر، علیم پہلے حصے کی صفات ہیں۔ خوشی اور فرحت خدا سے منسوب کی جا سکتی ہے اور دوسرے حصے کی صفات غم واندوہ تیسرے حصے کی صفات ہیں جن کا خدا کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہذا اس قسم کے خیالات پر شریعت پابندی لگاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ عام لوگوں کی استعداد سے واقف ہیں لہذا وہ انہی ذات وصفات کے مسئلہ پر افہام و ادراک سے روکتے ہیں تاہم مکمل وپختہ عقیدہ کی تلقین کرتے ہیں[۱۳]

شاہ ولی اللہ تقدیر کو بھی اہم نیکی سمجھتے ہیں اس پر عقیدہ رکھنا بھی مسلمان کا فرض خیال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں تقدیر ازل سے ودیعت کردی جاتی ہے اس کے پانچ مقامات ہوتے ہیں۔ پہلا مقام صورت کا ہے جس پر عالم امثال میں تخلیق ہونے والی شئے کی شکل خلق کی جاتی ہے دوسرا مقام اعداد کا ہے جس پر شئے کے اعداد کا تعین ہوتا ہے تیسرا مقام آدم اور اولاد آدم کی تخلیق کا ہے اور چوتھا مقام روح ڈالنے کا ہے اور پانچواں مقام عالم جبروت میں ہونے والے واقعات کو عالم ملکوت میں ودیعت کرنا ہے۔ قضا و قدر کے اس عقیدے کے تحت نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ جبر کے قائل ہیں جس کے تحت سب کچھ پہلے ہی سے مقدور کر دیا جاتا ہے لیکن شاہ ولی اللہ ارادے کو تقدیر سے الگ خیال کرتے ہیں اور انسان کو اس کی بنیاد پر اس کے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں جبر وقدر پر ان کے

خیالات اشعری سے مطابقت رکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ بھی ان کی طرح خدا کو تمام اعمال کا خالق تسلیم کرتے ہیں لیکن عمل کرنا انسان کے ارادے پر مبنی ہے لہذا وہ ان اعمال کی تکمیل کا ذمہ دار ہے ارادے میں انسان آزاد ہے لیکن اس کی یہ آزادی مکمل آزادی نہیں گویا وہ کسی حد تک جبر اور کسی حد تک قدر کے قائل ہیں[۱۴]۔

عبادت بھی ان کے خیال میں عظیم نیکی ہے ان کا یہ عقیدہ مکمل طور پر اسلامی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مسلم متفکرین کی اہمیت کے قائل ہیں۔ نیز اس مصلحت کے بھی قائل ہیں جس کے تحت انسان پر بندگی واجب ہے۔ شاہ ولی اللہ عبادت کو جوارح کے تزکیہ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز بہیمیت کو قابو میں رکھنے اور شریعت پر عمل کرنے کے لئے بھی عبادت لازمی ہے بعین صورت شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات میں وہ تمام نیکیاں شامل ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ ان پر عمل کرنا صرف صوفیا کے لئے ہی نہیں عام انسان کے لئے بھی ضروری ہے۔ ان نیکیوں کے علاوہ شاہ ولی اللہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، جہاد، غسل اور وضو وغیرہ کی نیکیاں بھی بیان کرتے ہیں اور ان مصلحتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ان میں پوشیدہ ہیں[۱۵]۔

برائی کے بیان میں شاہ ولی اللہ شرک پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں وہ اس کو سب سے بڑی برائی سمجھتے ہیں اور اس کو دور کرنا لازمی خیال کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام سامی مذاہب جن میں اسلام بھی شامل ہے اس برائی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور سماج سے ایسی برائی کو یکسر ختم کر دینا چاہتے ہیں لیکن اس کے علاوہ باقی مذاہب تحریف کے سبب اس برائی کا خاتمہ نہ کر سکے عیسائیت میں جس کا شاہ ولی اللہ نے جا بجا ذکر فرمایا ہے۔ آج بھی شرک موجود ہے۔ گو کہ عیسائی توحید کے داعی ہیں لیکن ان کا یہ دعوی اس لئے درست خیال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ توحید ثلاثہ کے قائل ہیں۔ ان کے مطابق عیسیٰؑ نہ صرف پیغمبر ہیں بلکہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اس طرح انہیں فرزند خیال کر کے وہ انہیں ربوبیت میں شامل کر لیتے ہیں اور یہ شرک ہے۔ نیز ان کے خیال کے مطابق روح بھی ربوبیت کا ایک حصہ ہے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق یہ شرک ہے۔ لہذا شاہ ولی اللہ عیسائیوں کو شرک خیال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دیگر مذاہب کے پیرو کاروں کو بھی اس گناہ کا مرتکب سمجھتے ہیں[۱۶]۔

گناہگار مسلمان اور غیر مسلم کا مرتبہ اسلامی فلسفہ میں اختلاف کی بنیاد رہا ہے مقیہ لہ

کا مکتب اسی سوال کی بنیاد پر تبہ سے الگ ہوا[۱۷] اس سوال پر شاہ ولی اللہ کا مسلک اشعری ہے - وہ گناہگار مسلمان کو غیر مسلم سے الگ سمجھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے باعث اس کا مرتبہ غیر مسلم سے بلند ہے ان کے خیال میں گناہگار مسلم اپنے اعمال کی سزا پاکر نجات حاصل کرسکتا ہے لیکن غیر مسلم کو یہ نجات ممکن نہیں[۱۸]

سزا و جزا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ اشعری مسلک ہی اختیار کرتے ہیں۔ خدا مختار کل ہے - اس کے اختیارات کو محدود نہیں کیا جا سکتا ہٰذا معتزلہ کا یہ خیال کہ خدا کو نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا دینا ہی غلط ہے - اس سے اس کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ اشعری کے خیال کے مطابق نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا اس نے دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن وہ اس کے برخلاف بھی کرسکتا ہے نیز شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ جزا فرحت و انبساط کے مترادف ہے اس میں انسان گناہ کے باعث ملوث ہوتا ہے - نیز شاہ ولی اللہ سمجھتے ہیں کہ انسان فطری اعتبار سے نیک ہوتا ہے۔ اس کی ذات میں لطیفہ نورانی مخفی ہے اگر وہ نیکی کرتا ہے تو اپنی فطرت کو مطمئن کرتا ہے اس لطیفہ کو جلا حاصل ہوتی ہے اور یہی اس کی جزا ہے - بدی کرنے کی صورت میں وہ غیر فطری عمل کرتا ہے اور ذہنی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ اس کے لئے سزا ہے - یعنی جزا فرحت اور انبساط اور سزا کرب و بلا کے مترادف ہے - نیز شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ گناہ انسان کے کردار کو خراب کر دیتا ہے اس خرابی سے سماج میں پراگندگی ہوتی ہے جس کا اثر اس پر بھی پڑھتا ہے اور بعض صورت جزا سماج کی خوشحالی اور سزا پراگندگی کے مترادف ہے[۲۰]

تصوف

۱؎ شاہ ولی اللہ ؛ حیات مرحوم عبید اللہ سندھی دیوبند ص ۶۰ تا ۶۵

۲؎ 〃 〃 〃 〃 ص ۶۷ تا ۸۵

۳؎ 〃 〃 〃 ص ۱۲۲ تا ۱۳۵

۴؎ 〃 〃 〃 〃 ص ۱۴۶ تا ۱۸۴

اخلاقیات

۱ء شاہ ولی اللہ؛ حجت اللہ البالغہ؛ مترجم عبدالحق ہزاروی لاہور ص۹۳،۸۹

۲ء " " " " " ص۹۵

۳ء " " " " " ص۹۸

۴ء " " " " " ص۹۸

۵ء " " " " " ص۱۰۰

۶ء " " " " " ص۱۰۱

۷ء " " " " " "

۸ء Umaruddin, M. Ethical Philosophy of Al. Ghazzali, Aligarh. 1962
P.P 150-60

۹ء Krishnan. Radha. Indian Philosophy. London. 1962. P.P 589. 600. 605

۱۰ء شاہ ولی اللہ؛ حجت اللہ البالغہ؛ لاہور ص۱۰۷۔

۱۱ء Plato. Republic. Tr by A. Bloom. New York 1968
P.P. 330 d. 354e. 357 b. (see index. P. 482)
Umaruddin. M. Ethical Philosophy of Al. Ghazzali. Aligarh. 1962
P. 144. 254

۱۲ء شاہ ولی اللہ؛ حجت اللہ البالغہ؛ لاہور ص۱۲۲،۱۲۱۔

Umaruddin. M. Ethical Philosophy of Al Ghazzali. Aligarh. 1962. P.P 107. 108

۱۳ے شاہ ولی اللہ؛ حجت اللہ البالغہ لاہور ص ۱۲۲، ۱۲۴

۱۴ے ″ ″ ″ ص ۱۲۵، ۱۳۰

۱۵ے ″ ″ ″ ص ۱۴۳، ۱۴۵

۱۶ے ″ ″ ″ ص ۱۵۱

۱۷ے Wah. W. M. The Formative Period of Islamic Thought Edinburgh. 1973. P 209

۱۸ے شاہ ولی اللہ حجت اللہ البالغہ لاہور ص ۵۲، ۵۳

۱۹ے ″ ″ ″ ص ۵۲، ۵۶